زاہد حسن چغتائی
میگزین ایڈیٹر روزنامہ نوائے وقت اسلام آباد

علامہ محمد حسین عرشی کی شاعری: تحقیقی و تنقیدی مطالعہ

Allama Mohammad Hussain Arshi Amratsari(1893-1885) is among the rare intellectuals and writers of 20th century known among the literary circles as immaculate poet, intellectual, writer and journalist. He is regarded as authority on Allama Iqbal's philosophical and ideological work and throughout his life he had worked for the promotion of the cause and ideology of Iqbal and his work.

His rare meetings with Iqbal spread over the period from 1935 till his death in 1938 has given credence to his work and he has emerged as one of the authorities on Allama Iqbal's ideological and philosophical work.

The under review research article is an attempt to shed light on the work of Allama Mohammad Hussain Arshi Amratsari in a special perspective

علامہ محمد حسین عرشی (1985-1893) نے خود کو کبھی شاعر سمجھا' نہ روایتی شعراء جیسا رنگ ڈھنگ اختیار کیا۔ بحیثیت شاعر ان کی شخصیت میں تفاخر نام کو بھی نہ تھا' مشاعرے پڑھنا بھی ان کا مزاج نہ بن سکا۔ چھپنے سے بھی احتراز کیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ان کا پہلا شعری مجموعہ (اردو) ''رسوا کیا مجھے'' جو 1974ء میں منصۂ شہود پر آیا' کی اشاعت کا کبھی انہوں نے خیال تک نہ کیا تھا[1] یہ کتاب ان کے احباب اور رفقاء کی پرخلوص کوششوں سے شائع ہوئی۔ عرشی کا کہنا تھا:

> ''میں نے اپنے آپ کو سنجیدگی سے کبھی شاعر ہی نہیں سمجھا اور نہ اپنے اشعار کو شعراء کے سامنے پیش کرنے کے قابل سمجھا۔ بڑے بڑے جوہر قابل گم نامی کی قبروں میں مدفون ہو گئے اور ہوتے رہتے ہیں۔ میں ناقابل تو کسی بھی اہمیت کا حامل نہیں'' [۲]

اگرچہ فنی اعتبار سے علامہ عرشی نے اپنی شاعری کو ''استاذی حضرت حکیم فیروز الدین طغرائی [۳] کی کفش برداری کا طفیل قرار دیا [۴] لیکن اسلوب اور فکر دونوں کے اعتبار سے وہ اقبالؒ کے خوشہ چین اور مقلد تھے اسی کے باوصف انہوں نے علامہ کی تقلید میں شاعری کے فنی لوازمات کو ثانوی حیثیت دیتے ہوئے تفکر اور پیغام کو اولیت دینے کی طرح ڈالی' وہ اقبالؒ سے اس ضمن میں پوری طرح متفق تھے:

میری نوائے پریشاں کو شاعری نہ سمجھ
کہ میں ہوں محرم راز درون مے خانہ [۵]

عرشی امرت سری نے نثر کی طرح شاعری میں بھی اپنے ذہنی وفکری رویوں کا برملا اظہار کیا اور کسی مقام پر بھی اپنے کسی فکری رویے کو چھپانے کی کوشش نہیں کی۔ اسی رجحان کے باوصف وہ اپنے فارسی شعری مجموعہ ''نقش ہائے رنگا رنگ'' کی ایک مثنوی ''اتوب الی اللہ'' میں واشگاف طور پر انتہائی جرات کے ساتھ اپنے ذہنی وفکری تغیرات کو منظر عام پر لانے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے:

''دامنم آلودہ انکار بود — لذتم در صحبت اشرار بود
گفتمی افسانۂ قرآں ترا — دھم می پندا شتم شان ترا
انبیا را کام جو دانستمی — ماد بین را نیکو دانستمی
افزا پندا شتم الہام را — جبر خیز انگا شتم اسلام را
گاہ نفی علم و حکمت کردمی — گاہ ابطال شریعت کردمی
خیر و شر را بی حقیقت گفتمی — اعتبار اہل ملت گفتمی
گہ ترا در خوف ''گیتا'' جستمی — گاہ در قول مسیحا جستمی
در تلاش شیخ کوشان گشتمی — بندہ پشمینہ پوشان گشتمی
ست صہبای تصوف بودہ ام — سالہا اندار تلہف بودہ ام
سربہ دہلیز ارسطو سودمی — کفش بردار فلاطون بودمی
این ضلالت بہرآں بودی کہ من — دیدمی حسنت بہ چشم ''اہل فن''
یعنی ''آ گاھان قرآن حکیم'' — مقتدا یان صراط مستقیم
لوث دامان رسول مصطفیٰؐ — رہزنان جادہ دین ہدیٰ
قوم را در تفرقہ انداختند — جدل را وجہ معیشت ساختند
آخر از کردہ پشیمان کشتہ ام — شرمسار جرم و عصیاں گشتہ ام'' [۶]

علامہ عرشی کے ذہنی وفکری تغیرات کے مختلف ادوار کے بارے میں پروفیسر سید عبدالرشید فاضل [۷] لکھتے ہیں:

''زندگی میں کئی دور آئے اور خیالات میں بڑا تغیر واقع ہوتا رہا۔ بعض مولویوں اور پیروں کے کردار کو قریب سے دیکھنے کے بعد دین و مذہب سے بد دل ہو گئے۔ اتفاق سے اسی زمانے میں ایک دہریئے سے یارانہ ہو گیا' چنانچہ اس کے ساتھ دو سال تک الحاد کی وادیوں میں بھٹکتے رہے' اس زمانے میں کسی قدر قبل یا بعد میں وحدۃ الوجود کے بھی قائل رہے۔ پھر جب سرسید کے نظریات سے متاثر ہوئے تو ان مفسروں اور مصنفوں کی کتابوں کا مطالعہ کیا جو سید کے ہم نوا تھے۔ اس دور میں آپ کی طبیعت پر عقلیت پسندی کا بڑا پرجوش غلبہ رہا۔۔۔ مولانا کی زندگی میں ایسے دور بھی آئے ہیں جنہیں رومی کے الفاظ میں ''خمار گندم'' سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔۔۔ لیکن وہ اس بحر کی سطح پر ہی رہے' ڈوبنے کی نوبت نہ آئی'' [۸]

علامہ عرشی کی شاعری کی شروعات حکیم فیروز الدین طغرائی کی شاگردی سے ہوئی اس لئے ابتداء میں ان کے کلام میں استاد کا

رنگ درآنا ایک فطری امر تھا۔ طغرائی کے ہاں چونکہ شاعری کے فنی لوازمات فکر کے مقابلے میں زیادہ اہمیت رکھتے تھے' اس لئے عرشی کے اس دور کے کلام میں ردیف اور قوافی کا دم خم اور مصرعوں کا دروبست طغرائی کی نظم سے مستعار نظر آتا ہے۔ منشی محمد دین فوق کے ماہنامہ ''طریقت'' بابت جنوری 1914ء کے شمارے میں ''تفکرات عرشی'' کے زیرعنوان شائع ہونیوالے اشعار اس کی بہترین مثال ہیں' جو بعدازاں ماہنامہ فیض الاسلام بابت جنوری 1975ء میں بھی اشاعت پذیر ہوئے' چند اشعار یہ ہیں:

''جب رنگ شقاوت کر دیا پیدا گناہوں نے
نہ دیکھا اپنے آئینے میں کچھ ہم روسیاہوں نے
سدا گردن کشوں کو آسماں نیچا دکھاتا ہے
لباس نقش پا پہنا ہے اکثر کج کلاہوں نے
میرے اندر ہی تھا موجود ساماں میرے جلنے کا
جلا کر راکھ کر ڈالا مجھے ان گرم آہوں نے'' [9]

اسی شعری اسلوب میں حکیم فیروز الدین طغرائی کے چند اشعار:

''کیا ہے اے دل عاقبت نااندیش کیا تو نے
کبھی سمجھا نہ اپنی زندگی کا مدعا' تو نے
نہ آگاہی ہوئی آثار کی لذت سے کچھ تجھ کو
کسی پر بھی نہ دکھلایا کبھی ہو کر خدا تونے
ڈبویا خضر ہو کر آہ مجھ کو بحر ہستی میں
دکھائے رہزنی کے ڈھنگ بن کر رہنما تو نے'' [10]

آغاز مشق سے 1920ء تک کی شاعری عرشی کے فنی تجربات پر مشتمل تھی' جس میں اگرچہ وہ جدت طرازی کے بھی شدید خواہش مند نظر آتے ہیں لیکن مروجہ شعری روایات سے انحراف آسان نہ تھا۔ اس دور میں ان کی ذہنی وفکری ارتقاء کا محور قرآن حکیم' کلام اقبالؒ اور قدیم فارسی شعراء کا گہرا مطالعہ تھا' جن میں بیدل' غالب' جامی' سحابی' نظیری اور عرفی شامل تھے۔ شاعری میں حکیم طغرائی کا رنگ قبول کرنے کا سبب بھی یہی ہوا کہ ان کی شاعری بھی فنی اعتبار سے اساتذائے قدیم کی تقلید تھی۔ خود لکھتے ہیں کہ حکیم صاحب قواعد عروض میں اساتذہ کی پیروی کرتے تھے۔ [11]

عرشی کی 1914ء کی ایک مسدس ''فریادعرشی'' سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اس زمانے میں اقبالؒ کی ''بانگ درا کی انقلابی شاعری سے ازحد متاثر تھے اور کلام اقبالؒ کے گہرے مطالعہ کے سبب فن اور فکر دونوں سطح پر علامہ کی تقلید کی شدید خواہش رکھتے تھے' اس کی مثال دیکھیئے:

''المدد سوز غم شمع شبستان عرب!
المدد شوق جمال مہ تابان عرب!
المدد خواہش پابوسی خاقان عرب!
المدد الفت دیرینہ جانان عرب!
اپنے شیدا کی طرف چشم ترحم ہو جائے
مے تاثیر سے پُر جام تکلم ہو جائے
جی میں آتا ہے کہ دل کھول کر فریاد کروں
سوز دل فاش کروں شکوہ بیداد کروں
آج رو رو کے دل غمزدہ کو شاد کروں
ہاں نئی طرز کوئی رونے کی ایجاد کروں
منزل شوق ہے اور بادیہ پیما ہوں میں
حضرت سید کونینؐ سے گویا ہوں میں''[۱۲]

احمد ندیم قاسمی کی رائے میں بھی علامہ عرشی کے ابتدائی دور کی شاعری ''بانگ درا'' کے لہجے کی بازگشت ہے' ان کے مطابق:

''علامہ عرشی نے اس زمانے میں شاعری کا آغاز کیا' جب علامہ اقبالؒ کی ''بانگ درا'' کے لہجے نے پورے برصغیر کو چونکا رکھا تھا۔ یہ ایک آواز تھی جو یوں تو غالبًا غالب اور حالی کی روایت کی معراج تھی مگر اپنی نوعیت کے لحاظ سے جدید بھی تھی اور اس جدت میں امکانات کی حدیں وسیع تھیں۔ علامہ عرشی کی بیشتر نظمیں بظاہر اس لہجے کی بازگشت معلوم ہوتی ہیں مگر جگہ جگہ ان کی اپنی شخصیت بہت نمایاں ہو کر ابھرتی ہے'' [۱۳]

13/مئی 1920ء کو علامہ اقبالؒ کا شعری سکوت توڑنے کے لئے روزنامہ زمیندار میں عرشی امرت سری کی نظم کی اشاعت [۱۴] کا واقعہ ان کی شاعری اور فکر وفن کی ارتقاء کے حوالے سے ایک اہم موڑ کی حیثیت رکھتا ہے' جس نے عرشی کی شخصیت اور فکر میں بے پناہ توانائی بھر دی اور انہیں بحیثیت شاعر اور دانشور اس قومی دھارے میں شامل کر دیا' جس کی تمنا اس عہد کے دیگر تمام شعراء اپنے دل میں رکھتے تھے۔اقبالؒ کے نام عرشی کی متذکرہ نظم کی تاثیر اور فنی پختگی کے بارے میں صوفی غلام مصطفےٰ تبسم کا کہنا ہے:

''مولانا ظفر علی خان اپنے روزنامہ ''زمیندار میں عرصہ تک پر زور نظمیں اور مضامین لکھتے رہے لیکن اقبالؒ ٹس سے مس نہ ہوئے۔۔۔ یہ شرف شاید عرشی صاحب ہی کو حاصل ہے کہ علامہ اقبالؒ نے ان کو اپنے کلام میں مخاطب فرمایا'' [۱۵]

احیائے اسلام کا شاعر اور مفکر ہونے کے ناتے اقبالؒ کا شعری سکوت صرف اسلامیان برصغیر کا ہی نہیں عالم اسلام کا بھی ایک عظیم نقصان تھا۔عرشی کی زمیندار میں شائع ہونے والی نظم کی ادبی' نظریاتی اور سیاسی اہمیت کا اندازہ اس تناظر میں لگایا جا سکتا ہے

کہ اس پر مولانا ظفر علی خان اور حکیم فیروز الدین طغرائی کے شعری محاکے بھی شائع ہوئے' جو علامہ عرشی کی شعری و نظریاتی صلاحیتوں کو زبردست خراج تحسین تھا۔

اس واقعہ کے بعد علامہ عرشی کی شعری وفکری اساس میں قومی سوچ اور ملی جذبے کی ایک ایسی لہر پیدا ہوئی' جس نے ان کی شخصیت کو اعتماد اور سوچ کی توانائی بخشی نیز ان کے عزم صمیم کو یقین کی دولت بھی عطا کی۔

اس حوالے سے وارث سرہندی نے علامہ عرشی کو نظم کا شاعر قرار دیتے ہوئے ان کی نظموں میں جذبے کی سچائی اور مشاہدے کی گہرائی ایسے اوصاف کی نشاندہی کی ہے۔ ان کے خیال میں عرشی کو یہ خوبیاں علامہ اقبالؒ کی قربت کی وجہ سے عطا ہوئیں' ان کا کلام حقائق کو افشاء کر کے قاری کو غور وفکر کی دعوت دیتا ہے' لکھتے ہیں:

''اہل اسلام کی اصلاح اور بہبود ان کا نصب العین ہے' یہ مقصد ان کے کلام میں اسی طرح جاری ہے' جس طرح انسان کی رگوں میں خون جاری ہے''[16]

ڈاکٹر وحید قریشی کا کہنا ہے کہ علامہ عرشی کی شاعری میں ''بانگ درا'' والی نیم روحانی آواز اور اقبالؒ کا پیغمبرانہ لہجہ صاف سنائی دیتا ہے۔[17] ان کے اس موقف کا پس منظر عرشی کی علامہ اقبالؒ کے ساتھ ذہنی وفکری شناسائی کا وہ وسیع رقبہ ہے' جس کی سرحدیں ''بانگ درا'' کی نظموں کے گہرے مطالعہ سے شروع ہوتیں اور پھر ''معرکہ اسرار خودی'' سے ہوتے ہوئے 1920ء کے شعری مکالمہ سے گزر کر بالمشافہ ملاقاتوں پر ہی ختم نہیں ہوتیں بلکہ حضرت علامہ کی وفات کے بعد کے دور میں بھی وسیع تر ہوتی چلی جاتی ہیں۔

علامہ عرشی کے اولین شعری مجموعہ ''رسوا کیا مجھے'' کے بارے میں پروفیسر ظفر الحق چشتی (17) کا خیال ہے کہ اسے اقبالؒ کی تقلید نہیں بلکہ ''اقبال پرستی'' سے تعبیر کرنا چاہیے۔ انہوں نے اقبالیات کے حوالے سے اس کتاب پر انتہائی خوبصورت اور جاندار تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

''علامہ عرشی نے نظم نگاری میں مولانا حالی اور پھر اقبال اور ظفر علی خان (1973ء ۔ 1956ء) کی روایت کی پیروی کی' مولانا ظفر علی خان اور علامہ اقبالؒ سے ان کا زبردست تعلق تھا اور وہ ان کے کلام اور کام سے بہت متاثر تھے۔ ان کی نظموں میں نیچر اور مناظر فطرت کے موضوعات بھی موجود ہیں' لیکن جو نمونہ ہمہ وقت ان کے پیش نظر رہا' وہ افکار اقبالؒ ہی کا نمونہ ہے۔ ان نظموں کے موضوعات' عنوانات' فکر و خیال اور دیگر کئی پہلو شاعری میں ان کی اقبال پرستی کا ثبوت ہیں' البتہ جگہ جگہ ان کی انفرادیت کا رنگ بھی جھلکتا دکھائی دیتا ہے۔ علامہ عرشی کے مختصر سے اردو مجموعہ کلام ''رسوا کیا مجھے'' میں نظموں کے موضوعات کی رنگا رنگی اور تنوع قابل تحسین ہے' لیکن اس تنوع میں بھی اقبالؒ ہی کا رنگ جھلکتا ہے۔ راقم کا خیال ہے کہ علامہ عرشی نے غزل میں تو کسی حد تک اپنی انفرادیت بنانے کی کوشش کی ہے لیکن نظم میں وہ ایسا نہیں کر سکے اور کہیں بھی حصار اقبال سے باہر نکلتے ہوئے نظر نہیں آتے۔ ان کی نظموں کے عنوانات پر بھی اقبالؒ ہی کی چھاپ دکھائی دیتی ہے' مثلاً جہاد' ذرہ وخورشید' سوز طلب' حسن ازل' جنت' انجمن افلاک' اسالیب پرواز' پیر روم' فکر حکیم' نبوت' کتاب' پیر و ملا' دوزخ اور غلامی' ابلیس کا مل' صہیبؓ' تمنائے شاعر' آفتاب' دماغ' دل' نوائے تلخ' رقاصہ' دوشیزہ' ستار اور موسیقی وغیرہ''[18]

ڈاکٹر وحید قریشی نے علامہ عرشی کی شاعری کو موضوعات کے اعتبار سے تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ اول:۔ مناظر قدرت کے حوالے سے حیات و کائنات کی ماہیت جاننے کی کوشش۔ دوم:۔ علم و فضل کی نمائندگی اور سوم:۔ شعوری سطح پر پیامبری و پیغام رسانی۔ ڈاکٹر صاحب نے کلام عرشی کے پہلے حصے کو قابل قدر قرار دیا ہے (19) تاہم مقالہ نگار کا خیال ہے کہ عرشی کی شاعری کو موضوعاتی لحاظ سے تقسیم کرنے کا عمل ان کی ذہنی و فکری ارتقاء کے مختلف مراحل کو نظر انداز کرنے کے مترادف ہے۔ اس طرح وہ سیاسی' ادبی' نظریاتی اور تاریخی پس منظر بھی سامنے نہیں آ تا جو ان کی شاعری کو سمجھنے کے لئے بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ اس کے برعکس اقبالیات کے تناظر میں علامہ عرشی کی شاعری کو ادوار میں دیکھنا ناگزیر ہے' کیونکہ انہوں نے ہر دور کے سیاسی' سماجی اور معاشرتی و تہذیبی تنازعات کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا ہے۔ دینی شعور اور قرآن کے نور کی ایک روشن آنکھ ہمیشہ ان کے فکری باطن میں موجود رہی۔ اقبالؒ کا مطالعہ اور پیروی بھی انہوں نے اسی روشنی میں کی' جس میں ان کی انفرادی شناخت بہرحال موجود ہے۔

اس تناظر میں جب ہم عرشی کی 1920ء سے قیام پاکستان تک کی شاعری کو دیکھتے ہیں تو وہ اپنے عہد اور اس کے تنازعات پر برملا مکالمہ کرتے نظر آتے ہیں۔ اقبالؒ کا لب و لہجہ اس قرینے سے اختیار کرتے ہیں کہ اس میں ان کا دینی شعور' قرآن فہمی اور اخلاقیات کا درس پوری سلیقہ مندی اور توانائی کے ساتھ جھلکتا ہے۔ 12 دسمبر 1935ء کے چند اشعار انہی لافانی جذبات و احساسات کی نمائندگی کر رہے ہیں:

''قیامت کی نیندیں ہیں طاری حرم پر
کہاں وہ نمازیں' کہاں وہ اذانیں
وہ راتیں کہاں' اے خدائے محبت
رلاتی تھیں ان کو مری داستانیں
حریم تقدس کہ قصر عدالت
ادھر بھی دکانیں' ادھر بھی دکانیں''[۲۰]

اکتوبر 1929ء میں کہی گئی ایک نظم ''حسن ازل'' کے چند اشعار:

''حقیقت کی جھلک حسن ازل کی کار سازی سے
مرادل پھیر دے اصنام دنیائے مجازی سے
مری تنہائیوں کو ذکر سے معمور ہونے دے
مری راتوں کو اپنے نور سے پرنور ہونے دے
ترے ادراک کوہشیار ہوں مدہوشیاں میری
ترے ہی تذکروں سے گونج اٹھیں خاموشیاں میری'' ۲۱

اقبال کی پیروی کے حوالے سے اپریل 1937ء کا کلام:

''سر تنظیم کیا' رمز سیاست کیا ہے
علم و اخلاق ہے کیا' امر و حکومت کیا ہے
وجہ توقیر ہے کیا' موجب عظمت کیا ہے
''قوم کیا چیز ہے' قوموں کی امامت کیا ہے
اس کو کیا سمجھیں یہ بے چارے دو رکعت کے امام'' [۲۲]

علامہ عرشی قرآنی تعلیمات اور فکر اقبالؒ کی روشنی میں وطنیت کے نظریئے کو رد کرتے ہوئے اسلام کے عالمگیر نظریہ کے تحت ''اسلام ترا دیس ہے تو مصطفویؐ ہے'' پر یقین رکھتے تھے [۲۳] یہی وجہ ہے کہ قیام پاکستان کے بعد جب 1958ء میں وہ امرت سر گئے تو اپنی جنم بھومی سے ایک فطری لگاؤ کے باوجود انہیں وہاں کی ہر چیز اجنبی لگی [۲۴] تقسیم برصغیر میں ہجرت کے تجربہ نے ان کے اندر مایوسی پیدا کرنے کے بجائے امنگ اور حوصلہ وعزم پیدا کر دیا تھا۔ اس کا ثبوت قیام پاکستان کے بعد ان کی دینی' اصلاحی اور نظریاتی جدوجہد ہے۔ جس کے تحت انہوں نے لاہور سے ماہنامہ البیان کا ازسرنو اجراء کیا۔ دارالقرآن کا قیام اور پورے ملک میں پھیلی ہوئی ان کی علمی' اصلاحی اور ادبی سرگرمیاں بھی اسی تگ و دو کا حصہ تھیں۔ اسی جذبے کے تحت انہوں نے ماہنامہ فیض الاسلام راولپنڈی کے مدیر کی ذمہ داریاں بھی قبول کی تھیں [۲۵] علاوہ ازیں پاکستان کے شہر شہر اور قریہ قریہ کی سیاحت کرتے ہوئے وہ نظریاتی جدوجہد کے تحت رفاقتوں اور محبتوں کی آبیاری کے ساتھ ساتھ اپنے مشن پر بھی کاربند رہے۔ وہ پورے پاکستان کو اپنا گھر سمجھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ساہیوال میں زمین خرید کر بھی مستقل ٹھکانہ نہ بنا سکے۔

عرشی نے برصغیر میں ایک اسلامی' فلاحی مملکت کا خوبصورت خواب اقبالؒ کی دور رس آنکھوں سے دیکھا تھا' جس کے لئے انہوں نے مقدور بھر نظریاتی وعملی جدوجہد بھی کی۔ لیکن قیام پاکستان کے بعد ان کے خواب ٹوٹ کر بکھرنے لگے۔ پھر ان کے اندر کا قدآور انسان اور شاعر لخت لخت ہونے لگا تو اس کی بازگشت ان کی شاعری میں بھی در آئی۔ وہ حوصلہ ہارنے والے انسان نہ تھے' لہذا انہوں نے اپنے ریزہ ریزہ خوابوں کو اقبالؒ ہی کے پرعزم لب و لہجے سے ازسرنو جوڑنے کا عمل شروع کیا۔ یہ ان کے لئے بہت مشکل اور صبر آزما مرحلہ تھا' لیکن وہ پیہم اس پر کام کرتے رہے۔ اسی تناظر میں ''انصاف چیخ رہا ہے'' کے زیرعنوان ایک نظم میں کہتے ہیں:

''منہ چھپائے پھر رہا ہوں شرمسار
مل گیا مٹی میں سب میرا وقار
میں شہنشاہوں کے سر کا تاج تھا
سلطنت میری تھی میرا راج تھا
میں کبھی تھا ایک تیغ بے نیام

صبح سے تابندہ تر تھی میری شام
کوئی بھی لیتا نہیں اب مجھ سے کام
عدل فاروقی کا ہے اب کاغذ پہ نام
میر و سلطان رہزنی میں طاق ہیں
پیر و ملا پیشہ ور قزاق ہیں
میرا نام ''انصاف'' اور میں یوں ذلیل!
تو ہی کر انصاف اے رب جلیل!''[۲۶]

بعد ازاں 1971ء میں سقوط مشرقی پاکستان کا واقعہ علامہ عرشی کے لئے پیرانہ سالی میں زندگی کا روگ بن گیا' اس جاں کناں مرحلے پر ان کی شاعری مرثیہ اور نوحہ بن گئی۔ جس میں متاع کارواں لٹنے کا غم اور ذیست کی اساس و اجتماعیت کھونے کا دکھ نمایاں تھا۔ انہیں سب سے زیادہ قلق اتحاد ملت کے پارہ پارہ ہونے کا تھا۔ جمال الدین افغانیؒ' علامہ اقبالؒ اور قائداعظمؒ کی جہد ثمر بار کو رائیگاں جاتے دیکھ کر ان کا دل خون کے آنسو رونے لگا۔ تاہم قرآنی فہم و فراست' دینی شعور اور فکر اقبالؒ نے انہیں اس موقع پر بھی سنبھالا دیا اور انہوں نے معصومیت سے بارگاہ ایزدی میں یوں ہاتھ اٹھا لئے:

''ملک و ملت' دعا کرو کہ بچے
دین ملت دعا کرو کہ بچے
چاروں جانب سے یورش سیلاب
یہ عمارت' دعا کرو کہ بچے
ہر طرف ہے منافقوں کا ہجوم
صدق نیت' دعا کرو کہ بچے
جاہلیت کا دور برسر اوج
علم و حکمت' دعا کرو کہ بچے
آخری چارہ کیا ہے اس کے سوا
خیرامت' دعا کرو کہ بچے''[۲۷]

اس موقع پر عرشی کے شعری پیرایئے اور لہجے میں ابتر حالات و واقعات اور پراگندہ ماحول سے ناگواری اور برہمی کا ایک عنصر بھی داخل ہو گیا' جو ان کی اس دور کی نظموں میں کہیں کہیں نظر آتا ہے۔ تاہم انہوں نے صبر و اعتدال کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ ایک نظم ''شرم تم کو مگر نہیں آتی'' میں قومی قیادت پر برہمی کا اظہار یوں کرتے ہیں:

''لیڈرو!!! مولویو!!! رہبرو!!!
خوب آپس میں جنگ و قتل کرو
قوم کو مارو اور خود نہ مرو
اپنے انجام سے، نہ رب سے ڈرو
شرم تم کو مگر نہیں آتی
سر پہ دشمن کھڑا رہے تیغ بکف
موت کے سائباں چار طرف
کھو دیا تم نے علم دیں کا شرف
دولت اتحاد کر کے تلف
شرم تم کو مگر نہیں آتی''[۲۸]

دوسری جانب آخری دور میں علامہ عرشی کی شاعری کہساروں میں بل کھاتی ایک خود رو ٹھنڈے میٹھے پانی کی ندی معلوم ہوتی ہے۔ جس کے پانی کے بیک وقت کئی ذائقے ہیں۔ ان میں تصوف، نعت رسول مقبولؐ اور پیام اقبالؒ ایسی تین جہتوں کو ملا کر دیکھیں تو ایک ہی تاثر معلوم ہوتا ہے۔ ان کی جھلکیاں:

۱۔ تصوف:

''بر زبان اللہ ہو، اللہ ہو
حرز جاں اللہ ہو، اللہ ہو
در قیام و در قعود و روز و شب
ہر زماں اللہ ہو، اللہ ہو''[۲۹]

۲۔ نعت شریف:

''سرود عیش و پیام قرار تیرا نامؐ
مری خزاں میں نوید بہار تیرا نامؐ
علاج گر یہ بے اختیار تیرا نامؐ
مری امید، میری آرزو میری تسکیں
مرا یقیں، مرا اعتبار تیرا نامؐ''[۳۰]

۳۔ پیام اقبال:

''تلافی ہو رہے گی بہر مانات
ترے مقدم کو راہیں اٹھ رہی ہیں
بڑھے لشکر، سپاہیں اٹھ رہی ہیں
بڑھو لشکر شکن شیرو کہ تم سے
گلے لگنے کو باہیں اٹھ رہی ہیں''[۳۱]

حوالہ جات وحواشی

۱۔ عرشی، رسوا کیا مجھے، ادارہ تنویرات ادب کراچی، 1947ء، ص58

۲۔ ایضاً، ص 58

۳۔ (الف) امرت سر کے قادر الکلام عظیم شاعر علامہ عرشی امرت سری اور صوفی غلام مصطفےٰ تبسم کے استاد تھے۔ ان کی شخصیت کی اور بھی کئی جہتیں تھیں۔ حکیم حاذق، عالم دین، مناظر، نامور اخبار نویس، عربی اور فارسی کے مترجم، عروض کے ماہر، جفر، رمل اور نجوم سے واقف، شعر گوئی میں ہر وقت طبیعت حاضر رہتی تھی[ماہنامہ فیض الاسلام، جون 1954ء ص37]

(ب) ''کلیات طغرائی'' صوفی غلام مصطفےٰ تبسم نے شائع کرائی تھی۔[فیروز الدین طغرائی، حکیم، کلیات طغرائی، مرتبہ: تبسم ایم اے، طبع اول، لاہور، 1933ء، ص 27، 35]

۴۔ رسوا کیا مجھے، ص 59

۵۔ اقبال، کلیات اقبال (اردو) شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، اشاعت ششم، ستمبر 1984ء، ص 343

۶۔ عرشی، نقش ہائے رنگا رنگ، مکتبہ فیض الاسلام راولپنڈی، 1975ء، ص 101,100

۷۔ بلند مرتبہ اقبال شناس، شارحین اقبال میں آپ کا مقام بہت بلند ہے۔ 1807ء (اس سے پہلے یا بعد) میں راجپوتانہ میں پیدا ہوئے۔ 1934ء میں پنجاب یونیورسٹی سے بی اے اور بعد ازاں 1940ء اور 1942ء میں آگرہ یونیورسٹی سے فارسی اور اردو میں ایم اے کیا۔ جولائی 1949ء میں کراچی میں اردو کالج قائم ہوا تو سید عبدالرشید فاضل اس کے ابتدائی اساتذہ میں سے تھے، وہ یہاں صدر شعبۂ فارسی بھی رہے۔ مثنوی اسرار و رموز کا خوبصورت اردو ترجمہ کیا، دیگر کتابوں میں اقبال اور عشق رسالت مآبؐ علامہ اقبال اور تصوف، شرح بال جبریل، بیان بے خودی (رموز بے خودی کا منظوم اردو ترجمہ) درسیات اقبال اور اقبال اور پاکستان شامل ہیں۔

[یوسف فاروقی، ڈاکٹر، ذکر فاضل، ادارہ تنویرات علم و ادب کراچی، 1982ئ اشاعت اول، ص 16,15]

۸۔ رسوا کیا مجھے، ص 27,26

۹۔ عرشی، آغاز مشق مشمولہ فیض الاسلام، جنوری 1975ء، ص 30

۱۰۔ کلیات طغرائی، ص 49

۱۱۔ ایضاً، ص 29

۱۲۔ رسوا کیا مجھے' ص 141

۱۳۔ ایضاً' ص 21

۱۴۔ (الف) 1918ء میں جنگ عظیم اول کے سانحات نے مسلمانان عالم کے اعصاب کو چور چور کر دیا' اس مایوسی و ابتلا کے ماحول میں وہ فکری و سیاسی طور پر روشنی کے متلاشی تھے۔ کم از کم برصغیر کے مسلمانوں کے لئے اقبالؒ کی شاعری اس دور میں ایک بہت بڑی ڈھارس تھی' لیکن المیہ یہ تھا کہ اقبالؒ بھی کافی عرصہ سے شعری سکوت کا شکار تھے۔ اس صورت حال میں علامہ عرشی امرت سری صرف اہل امرت سر کے ہی نہیں بلکہ اسلامیان برصغیر کے نمائندہ کے طور پر ابھر کر سامنے آئے اور انہوں نے علامہ اقبالؒ سے شعری سکوت توڑنے کی استدعا کی۔ اس ضمن میں عرشی کی اقبالؒ کے نام نظم 13 مئی 1920ء کے زمیندار میں شائع ہوئی۔

[جعفر بلوچ' اقبال اور مولانا ظفر علی خان' اقبال اکادمی لاہور' طبع اول' 1995' ص183]

(ب) عرشی کی اقبالؒ کے نام شائع ہونے والی نظم کا مرکزی شعر یہ تھا:

اے توئی در آشیاں گلشنت برباد رفت

نغمہ ای ماندی و پرواز تو باصیا د رفت

عرشی کے جواب میں علامہ اقبالؒ کی نظم 22 مئی 1920ء کو زمیندار میں ہی شائع ہوئی' جس میں علامہ نے عرشی کو براہ راست مخاطب کر کے فرمایا:

دانی کہ چیست شیوہ ی مستان پختہ کار

عرشی گماں مدار کہ پیانہ ام شکست

[تصدق حسین راجا' ڈاکٹر' پیامبر امید' فیروز سنز لاہور' بار اول' 1990ء' ص 25,34]

۱۵۔ صوفی تبسم' علامہ اقبال سے آخری ملاقاتیں' مرتبہ: صوفی گلزار احمد' ماورا پبلشرز لاہور' 1989ء' ص 40' 43

۱۶۔ رسوا کیا مجھے' ص 9,8

۱۷۔ ممتاز استاذ نعت گو شاعر' ادیب اور محقق۔ مئی 2001ء میں علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد سے ''محمد حسین عرشی اور ان کی علمی و ادبی خدمات'' کے موضوع پر تحقیقی مقالہ لکھ کر ایم فل اقبالیات کی ڈگری حاصل کی۔

۱۸۔ ظفر الحق چشتی' محمد حسین عرشی اور ان کی علمی و ادبی خدمات' ص 129,128

۱۹۔ فیض الاسلام' دسمبر 1978ء' ص 29

۲۰۔ رسوا کیا مجھے' ص 87

۲۱۔ ایضاً' ص 111

۲۲۔ ایضاً' ص 148

۲۳۔ کلیات اقبال (اردو)' ص 160

۲۴۔ ماہنامہ البیان کو امرت سر کی امت مسلمہ تنظیم شائع کرتی تھی' علامہ عرشی امرت سری ایک عرصہ تک اس کے ایڈیٹر رہے' قیام پاکستان کے بعد عرشی نے البیان کا نیا ڈیکلریشن حاصل کر کے اس رسالہ کا از سر نو اجراء کیا مگر بعد ازاں یہ مالی مشکلات کے سبب بند ہو گیا' اس کے قلمی معاونین میں مولانا تمنا عما دی' مولانا سید جعفر شاہ پھلواری ندوی' مولوی عبدالرحیم' ڈاکٹر سخا اللہ' سید مقبول احمد اور ساغر صدیقی بھی شامل تھے۔

[ماہنامہ البیان لاہور، دسمبر 1949ء، ص 98+ فیض الاسلام، عرشی نمبر 1985، ص 50]

۲۵۔ ماہنامہ البیان لاہور کی بندش کے بعد علامہ عرشی امرت سری ماہنامہ فیض الاسلام سے منسلک ہو گئے، وہ 1949ء تا 1985ء اس کی ادارت کے فرائض انجام دیتے رہے۔

[تصدق حسین راجا، ڈاکٹر، نوادرات عرشی امرت سری، فیروز سنز لاہور، بار اول، 1991ء، ص 29,22]

۲۶۔ فیض الاسلام، نومبر 1980ء، ص 30

۲۷۔ فیض الاسلام، نومبر 1979ء، ص 26

۲۸۔ فیض الاسلام، جنوری 1979ء، ص 20

۲۹۔ فیض الاسلام، ستمبر 1979ء، ص 2

۳۰۔ عرشی، تیرا نام ؐ مشمولہ فیض الاسلام، اپریل 1974ء، ص 2

۳۱۔ فیض الاسلام، اگست 1974ء، ص 2